Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

حمزہ حسن
پی ایچ ڈی اسکالر، یونیماس، ملائیشیا

خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" میں نوآبادیاتی منظر نامہ

Hamza Hassan
PhD Scholar, Faculty of Applied and Creative Arts, University of Malaysia, Sarawak, Malaysia

Post Colonialism In The Novel Aagan By Khadija Mastoor

Post colonialism is the phenomena of the process of occupation and colonization. It dates back from the conscious living of human being. It continued throughout the history of mankind but modern colonialism including occupying different parts of the work by European powers is unique, complex and more strategic. This resulted in change of culture, thoughts, language and literature. This paper attempts to survey the novel Aangan by Khadija Mastoor in the perspective of colonial and postcolonial repercussions. First different themes are analyzed in order to judge the general themes and issues of the novel. Later on, through minute and micro study, different concepts emerged due to result of colonial process and its aftermath effect. On the basis of the findings the research was drawn.

Keywords: Post colonialism, novel Aagan, Khadija Mastoor, aftermath effect,colonization

نوآبادیات کالفظ کئی وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس میں موجودہ دور میں، نسل پرستی، ثقافت، قومیت اور انسانی تشخص کواُن نوآبادیاتی ممالک میں اُجاگر کیا جاتا ہے جنہوں نے حال ہی میں آزادی حاصل کی ہے۔ تاہم، کچھ نقاد اس اصلاح سے، اُن تمام ثقافتوں اور ثقافتی مصنوعات کی جانب اشارہ کرتے ہیں جن پر سامراج اثرانداز ہوااور یہ آبادکاری اُس وقت سے لیکر آج تک جاری ہے۔ نوآبادیاتی ادب یورپی اقوام اور اُن کے زیر تسلط رہنے والی اقوام کے درمیان باہمی تعلق کا بیانیہ تلاش کرتا ہے۔ بیسویں صدی کے درمیان میں، دُنیا کا زیادہ تر حصہ یورپی ممالک کے زیر تسلط تھا۔ مثال کے طور پر، ایک وقت میں، سلطنت برطانیہ، کی پچاس فیصد دُنیا پر حکومت تھی (سعد,Orientalism , 1979)۔ بیسویں صدی کے دوران، بھارت، جمیکا، نائیجریا، سینی گال، سری لنکا، کینیڈااور آسٹریلیا جیسے ممالک نے اپنے یورپی آبادکاروں سے آزادی حاصل کی۔ آزادی کے بعد، ان ممالک میں تخلیق ہونے والا ادب اور فنون لطیفہ، "نوآبادیاتی مطالعے "کا حصہ بنا، اس اصلاح کو تعلیمی طور پر ابتداء میں برطانیہ کی جامعات میں متعارف کرایا گیا۔ اس شعبہ کو1970 میں نمایاں مقام ملااور تب سے اب تک اس کو ترقی مل رہی ہے (کیسن,2000)۔ اس اصلاح کو مختلف نصوص اور پہلوؤں کے مطالعے اور تجزیات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ نوآبادیات کو ایک الگ مضمون کے طور پر، ثقافتی مطالعے کا ایک حصہ گردانا جاتا ہے کیونکہ موجودہ دُنیا کا منظر نامہ ایک یا دوسری طرح سے نوآبادیاتی طریقے کا ایک سلسلہ ہے (میکلیڈ,2000) ۔ مندرجہ بالا ادباء اور مفکروں کی فکر کی روشنی میں، یہ واضح ہے کہ ادب، ثقافت کا ایک حصہ ہوتے ہوئے، نوآبادیات اور اس کے اثرات کے ساتھ منسلک ہے۔ (سعد,1993)

خدیجہ مستور کو اُردو ادب کی تاریخ میں ایک عظیم لکھاری کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ 1930 میں بھارت کے شہر لکھنو میں پیدا ہوئیں۔ اُن کی طبع آزما اصناف میں

ناول نگاری، افسانہ نگاری اور ڈرامہ شامل ہیں۔ اُن کے افسانوی مجموعوں میں، "کھیل"، "بوچھاڑ" اور "چندروز" شامل ہیں۔ انہوں نے 1982 میں وفات پائی (پیڈیا، 2013)۔

آنگن، خدیجہ مستور کا ایک معروف ناول ہے۔ یہ برصغیر کے ایک خاندان کی کہانی ہے جو بھارتی معاشرے میں سماجی اور نفسیاتی پہلو کو اُجاگر کرتی ہے۔ آنگن معاشرے کی عکاسی کی بہترین نظیر ہے۔ خدیجہ مستور نے اپنے دور میں جنم لینے والی سیاسی، معاشی اور عمرانیاتی تحاریک کا بخوبی احاطہ کیا ہے۔ اُن کا شمار سنجیدہ اور فکر انگیز ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کے اس ناول میں فن کی گہرائی اور مضبوط پلاٹ کے اعتراف میں اُن کو آدم جی ایوارڈ سے نوازا گیا (پیڈیا، 2013)۔

یہ ناول 1940 کے دور کے آس پاس گھومتا ہے۔ اس ناول کا سب سے اہم پہلو عمرانیات ہے۔ یہ ایک خاندان کی کہانی ہے جو کئی چھوٹے اور بڑے کرداروں پر مشتمل ہے۔ اس کے اہم کرداروں میں، بڑی چچی، عالیہ، اماں، کریمن بواء اور بڑے چچا شامل ہیں۔ خاندانی اُلجھنوں اور گھریلو جھگڑوں کو ناول نگار نے بہت ہی گہرے مشاہدے اور فن کے ساتھ نبھایا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے اختلافات نے تمام کرداروں میں پُھوٹ ڈال دی اور روز بروز اُن میں فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔ خاندان کے ایک کمزور فرد پر کیسے طنز سے بحث کی گئی، مکمل طور پر نظرانداز کیا گیا اور اُسے دوسروں کے لیے صرف بُوجھ گردانا گیا ہے۔

"صحن" کا تصور عورت کی پناہ گاہ کی علامت بھی ہے۔ دادی کے رویے نے عالیہ کی ماں کو بہت تکلیف دی۔ اس لیے اُس کی صرف ایک خواہش تھی کہ وہ "صحن" کی مالکن بنے۔ لیکن اُسے اپنے خاوند کی جانب سے کبھی بھی کوئی اہمیت نہ ملی اس وجہ سے، وہ "صحن" میں اپنی اہمیت کھو گئیں۔ "صحن" صرف اُسی شخص کا ہوتا ہے جس کے پاس طاقت ہوتی ہے۔

ناول "آنگن"، گھر کے ایک آنگن یا صحن کی علامت بھی ہے؛ کسی گھر یا کسی معاشرے کا "آنگن"۔ ہر بندہ اپنے معاملات میں مصروف ہوتا ہے اور کسی کو بھی "آنگن" کی پرواہ نہیں ہوتی اور "آنگن" اُجڑنے لگتا ہے اور گزرتے دنوں کے ساتھ یہ بکھرنے لگتا ہے۔ اس لاپروائی کی وجہ سے، آنگن اپنی خوبصورتی کھو دیتا ہے اور اس آنگن کے سارے باسی تقسیم ہو جاتے ہیں کیونکہ اُن کے درمیان مختلف معاشرتی اور سیاسی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ملکی سیاست نے ایک ہی آنگن کے مختلف باسیوں کو مختلف سیاسی افکار کی بنا پر مختلف پہلوؤں اور زاویوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ کوئی بھی باسی آنگن کے ساتھ مخلص نہیں اور ہر ایک اپنا منافقانہ کردار ادا کر رہا ہے۔ ہر ایک آنگن سے کوئی نہ کوئی فائدہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی بھی اس آنگن کو محفوظ نہیں کرنا چاہتا جو دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ابتر ہوتا جا رہا ہے۔

پاکستان اور ہندوستان بھی دونوں آنگن ہی تھے۔ ہر ایک چھت اور صحن کے نظریہ پر کاربند۔ ہزاروں لوگوں نے ہجرت کی وجہ سے اپنے گھروں کو چھوڑا اور وہ نئے آنگن بسانے کے لیے اس چھت اور پناہ سے محروم ہو گئے۔ اُس وقت غم و غصے کے جذبات ہر انسان میں پیدا ہو گئے جب انہوں نے اپنی اقدار کھوئیں اور دوسروں نے اُن پر حاوی ہونے کی کوشیش کیں۔ اس ناول کا بھی یہی معاملہ ہے، ہندوستانیوں کا انگریزوں کے خلاف ردعمل بھی اس غم اور غصے کی وجہ تھا جس کی بنا پر لوگوں نے انگریزوں سے نفرت شروع کر دی۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی اقدار اور روایات کے مطابق آزادانہ زندگیاں گزار رہے تھے۔

اُردو ادب میں، اس ناول کو ایک سیاسی ناول گردانا جاتا ہے۔ اس ناول میں، اُتر پردیش کے ایک مسلمان خاندان کے مختلف کردار برصغیر کی سیاست پر اثرات کو نمایاں کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ ایک آنگن میں ہو رہا ہے اور ہر ایک کردار کے مختلف سیاسی نظریات ہیں۔ ناول نگار نے بہت خوبصورتی سے اُس وقت کے سیاسی منظر نامے کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔

ناول کے مختلف موضوعاتی پہلو

۱۔ سیاسی

۲۔ سماجی

۳۔ عمرانیاتی

۴۔ انسان دوستی

(حسن، 2010)

۱۔ سیاسی پہلو

اس ناول میں سیاسی پہلوؤں کو بھارت کے سیاسی منظر نامہ کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان سیاسی اختلافات نے ایک گھر کے افراد کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ مثال کے طور پر، بڑے چچا کانگریسی ہیں جبکہ چھمی اور جمیل مسلم لیگ کے ماننے والے ہیں۔ اسی طرح، دُنیاوی سیاست اور دوسری جنگ عظیم کے اثرات کو بھی ناول نگار نے خوب موضوع سخن بنایا ہے۔

ناول کے کچھ حصوں میں دوسری جنگ عظیم کے اثرات بھی بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔اگرچہ یہ جنگ یورپ میں لڑی جارہی تھی لیکن ہر "آنگن" کے لوگ اس سے بُری طرح متاثر ہوئے تھے۔ ہر ایک کے سر پر خطرے کے سایے منڈلا رہے تھے۔ ہر گھر میں، یہی موضوع زیرِ بحث رہتا اور ہر شخص اپنا نقطہ نظر بیان کرنا چاہتا تھا۔ جاپان کے دوسرے بڑے شہر، ناگاساکی پر دوسرا ایٹمی بم گرنے کے بعد، ہر ایک برطانیہ اور دوسری یورپی قوتوں کا معروب نظر آتا۔ جیسا کہ عالیہ کی ماں، جمیل بھیا سے کہتی ہے کہ وہ ان سیاسی سرگرمیوں سے دُور رہے۔

"دیکھو جمیل میاں، یہ باتیں مت کرو، اب تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ انگریز سے لڑ کر بڑے بڑے ملکوں کو بھی کیا بھگتنا پڑا، اس لیے آزادی کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ اماں نے جمیل بھیا کو سمجھایا۔" (مستور,2000, صفحہ 251)

۲۔ سماجی پہلو

ناول نگار نے ناول میں سماجی پہلوؤں کو بخوبی نبھایا ہے جیسا کہ خدیجہ مستور کو ایک سماجی ناول نگار گردانا جاتا ہے اور اُن کی اس خوبی کو اس ناول میں بخوبی جانچا جا سکتا ہے۔ خدیجہ مستور کے زیادہ تر ناول سماجی پہلوؤں پر مشتمل ہیں اور وہ کسی بھی معاشرے کو الفاظ سے منظر کرنے میں طاق سمجھی جاتی ہیں۔ اُن کے سماجی تجربات اور معاشرے پر گہری نظر کو اُن کی تحاریر میں بڑے پیمانے پر ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ اُن میں سے کچھ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں؛

"لو بھلا مکھیوں سے کون بچا تا ہے، یہ تو ہمارے ہاں موسمی تتلیاں ہیں بجیا۔" (مستور,2000, صفحہ 242)

ناول نگار نے سماجی پہلوؤں کے اختلاف پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔ خاص طور پر، نجمہ آنٹی کا کردار سماجی روایات کا متضاد ہے کیونکہ وہ ہمیشہ سماجی روایات کی انکاری رہیں اور وہ جدیدیت کے راستوں کی راہی ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا ہم سفر خُود تلاش کرتی ہیں اور پھر صرف اپنے خاندان کو اطلاع کرتی ہیں؛

"بڑے بھیا، وہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنے لیے زندگی کا ساتھی تلاش کر لیا ہے، بس آپ کو اطلاع دینی تھی۔ انہوں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔" (مستور,2000, صفحہ 267)

عالیہ کو اُن کے اس رویے پر سخت غصہ آیا کہ انگریزی میں ماسٹر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے سماجیات کی روایات کو ٹھکرا دیں۔

"تو پھر ضرور کرو شادی، ہم سے کہو، فوراً انتظام کر دیں گے۔ بڑی چچی کھسیا کے ہنسنے لگیں۔" (مستور,2000, صفحہ 267)

"کیا انتظام کریں گی آپ، کیا میں چھمی ہوں جس کی شادی پر مراثنیں بلائی جائیں گی، ڈھول پیٹی جائے گی اور میرا جہیز سلے گا، میں خُود جہیز ہوں۔ نجمہ پھوپھی سخت مغرور ہو رہی تھیں۔" (مستور,2000, صفحہ 267)

"تم جب کہو گی میں شریک ہو جاؤں گا۔ بڑے چچا اُٹھ کر باہر چلے گئے۔" (مستور,2000, صفحہ 267)

گھر کی پُرانی ملازمہ ابھی تک روایتی ہی تھیں اور وہ زمانے کی سماجی روایات بُھولنے سے قاصر تھیں۔ وہ اس خاموش شادی پر ناخوش نظر آتی تھیں۔

"ڈھول نہ باجے، دلہن نہ بنیں، یہ بھی کوئی شادی ہوئی، زمانے بدل گئے۔ سوا سوا مہینے تک لڑکی کو مانجھے بٹھاتے تھے۔ باپ بھائیوں کا سایہ تک نہ دیکھتی لڑکی۔ کریمن بوا برتن دھوتے ہوئے برابر بڑبڑائے جا رہی تھیں۔" (مستور,2000, صفحہ 268)

۳۔ عمرانیاتی پہلو

ناول نگار نے عمرانیاتی پہلوؤں کا بھی بخوبی احاطہ کیا ہے۔ گھر کا ماحول، ہر شخص کی افکار کے مختلف پہلو پیش کر رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی خُوشیاں، بڑے بڑے غم، ہنسی مذاق، طنز، حسد، اختلاف رائے اور مختلف کرداروں کے درمیان غموں کا بٹانا، ناول نگار نے بخوبی اپنے زورِ قلم سے بیان کیا ہے۔ اس لیے یہ ناول زندگی سے بھرپُور ہے اور ہر کردار اپنے رنگ ورُوپ اور اپنے مکالموں سے زندگی کا ایک مختلف پہلو اُجاگر کر رہا ہے۔

ہم غم اور خُوشی کی ایسی بہت سی مثالیں اس ناول میں ڈھونڈ سکتے ہیں۔

عالیہ کا رویہ گھر میں ہر فرد کے ساتھ بہت ہمدردانہ ہے۔ خاص کر وہ چھمی کو اپنی گہری دوست گردانتی ہے اگرچہ گھر میں باقی سارے افراد اُسے جاہل اور بدتمیز سمجھتے ہیں۔ اس طرح اپنی بہن کی وفات کے بعد، وہ اپنے والدین کا خیال رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ اُس کو بڑے چچا سے بھی بہت ہمدردی ہے اور اُسے اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہے۔

"اور میں تمہارا باپ نہیں تو پھر کیا ہوں پگلی" بڑے چچا نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔۔۔ "اور جب آزادی مل جائے گی تو میں اپنی بیٹی کو دلہن بناؤں گا اور بہت شاندار پڑھا لکھا دولہا لاؤں گا، ایں نا؟" (مستور,2000, صفحہ 264)

یہاں تک کہ اُس کے دل میں جمیل کے لیے بھی نرم گوشہ ہے جس کے پہلے ہی بہت سے معاشقے رہ چکے ہیں۔ اُسے ہمدردی کے مکمل مجسم کے طور پر پیش کیا گیا ہے

جسے ہر ایک کے جذبات اور احساسات کا خیال ہوتا ہے اور وہ ہر فرد کی خُوشیاں اور غم بانٹتی نظر آتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس عالیہ کی ماں کا رویہ گھر میں ہر ایک کے ساتھ بہت طنزیہ ہوتا ہے اور وہ طنز کا کوئی بھی موقعہ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ گھر کے ہر فرد کے ساتھ اُن کا رویہ طنزیہ ہی ہے۔

نجمہ پھوپھی (چھوٹے اور بڑے چچا کی بہن) بہت مغرور ہیں۔ وہ کسی کو بھی اپنے قریب نہیں آنے دیتی اور دوسروں کی کم تعلیم کی وجہ سے وہ ہر ایک پر طنز کرتی نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر، عالیہ کے ساتھ اُن کا رویہ ایک اُستاد شاگرد والا ہے۔

نجمہ پھوپھی نے انگریزی میں ماسٹر کیا ہوا ہے اور وہ اپنی اس تعلیم پر بہت مغرور ہیں۔ اُن کا رویہ گھر کے ہر فرد کے ساتھ بہت ہی تحکمانہ اور تفاخرانہ ہوتا ہے اور وہ کسی کو بھی اپنے معیار کا نہیں سمجھتیں۔ وہ آباد کاروں کی زبان سے بہت متاثر ہیں اور خاندان کی دوسری لڑکیوں کو اُن کی کم تعلیم کی وجہ سے ہر وقت تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔

عالیہ اُن سے بالکل ہی متاثر نہیں ہے اور نجمہ پھوپھی اُسے ہمیشہ جاہل سمجھتی ہیں۔ جمیل نے بی اے کیا ہوا ہے جبکہ عالیہ ایف اے ہے لیکن نجمہ پھوپھی اُن دونوں کو غیر تعلیم یافتہ اور جاہل ہی گردانتی تھیں۔

"واہ صرف بی اے سے کیا ہوتا ہے، آدمی جاہل ہی رہ جاتا ہے، تھوڑی تعلیم خطرناک ہوتی ہے۔ کرنا ہے تو ایم اے بی ٹی کرو، اب مجھے دیکھو جس کالج میں جاؤں، ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہوں مگر ایم اے بھی کرو تو انگلش میں، اُردو ایم اے تو ہر جاہل کر سکتا ہے۔" (مستور, 2000, صفحہ 139)

وہ انگریزی میں ایم اے کی وجہ سے بہت مغرور ہیں اور ہر گفتگو کے دوران، وہ اپنی تعلیم کا حوالہ دینے میں تکبر محسوس کرتی ہیں؛

"واہ یہ فرق مٹ بھی کیسے سکتا ہے، کیا تم نے انگلش میں ایم اے کیا ہے؟ گدھے اور گھوڑے میں کوئی فرق تو ضرور ہوتا ہے۔" (مستور, 2000, صفحہ 139)

نجمہ پھوپھی چھمی کی اُستانی بھی ہیں، اس پڑھائی کے دوران بھی اُن کا انداز طنزیہ ہی رہتا؛

"ابھی نہیں، میں جس طرح پڑھاؤں اسی طرح پڑھ، یہ اُردو نہیں کہ ہر جاہل پڑھ لیتا ہے، یہ انگریزی ہے۔ نجمہ پھوپھی ایک دم برہم ہو گئیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 158)

دوسروں کی طرح، عالیہ بھی اپنی کم تعلیم کی وجہ سے نجمہ پھوپھی کے طنز کا شکار رہتی۔ ایک دن پھوپھی نے اُس پر بھی طنز کیا۔

"ارے اُردو لے کر بی اے کر لیا، یہی بہت ہے، اور کر بھی کیا سکتی تھی غریب۔'' ایک دن نجمہ پھوپھی بول ہی پڑیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 194)

کریمن بوا کا کردار ایک پُرانی ملازمہ کا کردار ہے جس نے اپنی ساری زندگی اس گھر کی خدمت میں گزار دی ہے اور اس کو اپنے لیے نعمت سمجھتی ہیں۔ اگرچہ دادی کا رویہ اُن کے ساتھ اچھا نہیں لیکن وہ پھر بھی اپنی بھرپُور کوششوں سے سب کی خدمت میں جُتی رہتی ہیں۔ اس لیے وہ وفاداری سے بھرپُور ہیں اور اپنے مالکوں کے خلاف کوئی بھی بات سُننا گوارا نہیں کرتیں۔ وہ ایک روایتی خاتون ہیں اور جدید رسومات پر یقین نہیں رکھتیں جو پُرانی روایات کا دم گھونٹ رہی ہیں۔ اُن کا سب کے ساتھ عمدہ برتاؤ ہے اور سب اُن کو پسند کرتے ہیں۔ وہ ہر کسی کی خُوشیوں اور غم میں شریک ہوتی ہیں۔ وہ کبھی بھی اس گھر کا آنگن نہیں چھوڑنا چاہتی، اس لیے وہ تقسیم کے بارے میں سُنکر کہتی ہیں؛

"ہاں جمیل میاں یہ جانے وانے کی بات بری ہے، میں بھی یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی۔ کریمن بوا بھی آخر بول ہی پڑیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 265)

۴۔ انسان دوست پہلو

جب جاپان کے شہروں پر ایٹم بم گرائے گئے تو اس کا دُکھ اور افسوس ناول کے تمام کرداروں نے بھی کیا۔ خاص طور پر، عالیہ ان شہروں کے شہریوں کے لیے بہت غم زدہ تھی۔ اس طرح، تقسیم کے بعد، جب سرحد کی دونوں جانب، لوگوں کا قتل عام شروع ہوا تو عالیہ، جمیل، بڑے چچا اور گھر کے باقی تمام افراد اس افسوس ناک صورت حال پر بہت دلبراشتہ تھے۔

آنگن میں نو آبادیاتی پہلو

ناول "آنگن" نو آبادیاتی پہلو سے بھرپور ناول ہے۔ "آنگن" یا "صحن" جو کہ اس ناول کا بُنیادی خیال ہے، مختلف کرداروں پر مشتمل ہے جن کے مختلف سیاسی جذبات اور وابستگیاں اور مختلف سماجی اقدار ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم مثال بڑے چچا اور اُن کے بیٹے جمیل کی ہے۔ بڑے چچا کانگریس سے وابستہ ہیں اور اُن کا بیٹا جمیل مسلم لیگ کا سرگرم کارکن ہے۔ اسی طرح، چھوٹے چچا (عالیہ کے والد) اور چھمی کی بھی مسلم لیگ کے لیے ہمدردیاں ہیں جبکہ نجمہ پھوپھی (اُن کی بہن) جو کہ انگریزی میں ایم اے ہیں، وہ انگریز روایات کی اندھی مقلد ہیں۔

یہ ناول شروع سے آخر تک متضاد جذبات کے نو آبادیاتی پہلوؤں سے بھرپور ہے۔ اس ناول کے تمام کردار، سوچ کے مختلف زاویوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر ایک نو

آبادیاتی معاشرے کا متاثرہ ہے۔ کچھ کردار اپنے جذبات کا تنقیدی الفاظ میں اظہار کرتے ہیں جبکہ کچھ انگریزی جدیدیت اور معاشرے کی اس ترقی کو پسند کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال مندرجہ ذیل ہے؛

"ہاں! اس ملک کے لوگ بڑے گندے ہوتے ہیں۔ ہماری بھابھی، یعنی ہمارے بھائی کی بیوی انگریز ہے۔ اماں نے بڑے فخر سے کہا۔" (مستور, 2000, صفحہ 32)

ایک بار عالیہ کی ماں نے مسز ہاورڈ کو اپنے گھر مدعو کیا لیکن عالیہ کے ابا نے اس چائے کی دعوت میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے انگریزوں سے نفرت کرتے تھے۔

"دیکھا، چائے پر نہیں آئے نا۔ وہ تو کہو مجھے اچھا بہانہ یاد آ گیا ورنہ کیا سمجھتیں مسز ہاورڈ، دیکھ لینا یہ نفرت کے پیچھے کچھ کر کے رہیں گے۔ بھلا کوئی ان سے پُوچھے کہ انگریز سے زیادہ اچھا حکمران کون ہو گا۔ اپنے لوگ تو ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہتے ہیں، ارے کون سمجھائے اس شخص کو؟" (مستور, 2000, صفحہ 34)

"اب آئے ہیں خان صاحب، کیا وہ نہ سمجھتی ہوں گی کہ آپ کو ان کا آنا برا لگا، حد ہے وہ انگریز ہو کر ہمارے گھر آئے اور صاحب بہادر پروا بھی نہ کریں۔ اگر وہ رپورٹ کر دے کہ جناب نے ان سے بدسلوکی کی ہے تو پھر ہوش ٹھیک ہو جائیں گے۔" (مستور, 2000, صفحہ 34)

خدیجہ مستور نے اپنے ناول میں، انگریز حکمرانوں کے خلاف جذبات کو بخوبی نبھایا ہے۔ خاص طور پر، چھوٹے چچا (عالیہ کے والد) کا کردار انگریز حکمرانوں کے شدید خلاف ہیں۔ جب بھی اُن کی بیوی اپنی بھاوج کی مثال دیتی ہیں تو وہ ہر وقت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

"میری بہن کا بیٹا کم اصل ہے اور تمہارے بھائی کی بیوی، پتہ نہیں کس بھنگی کی اولاد ہو گی۔ تمہارے بھائی نے اس سے شادی کر کے تمہاری قوم کے منہ پر تھپڑ مارا ہے، خدا کی شان ہے انگریز بھنگی بھی ہمارے حکمران ہیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 42)

اس آنگن کا ماحول ہمیشہ، مختلف افراد کے نقطہ نظر میں اختلاف کی وجہ سے کشیدہ ہی رہتا۔ خاص طور پر، ناول کے بالکل آغاز میں، عالیہ کے والدین کے درمیان ہمیشہ ہی جھگڑا رہتا کیونکہ عالیہ کے باپ کو انگریزوں سے شدید نفرت ہے جبکہ اُس کی ماں کو اپنی انگریز بھاوج پر بہت فخر ہے۔ یہ جھگڑا ہمیشہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر اپنا سر اُٹھا لیتا ہے اور پھر دونوں جانب سے انگریز حکومت کے حق میں اور خلاف دلائل پیش کئے جاتے۔

جیسے ہی عالیہ کے والد دفتر سے واپس آئے، عالیہ نے اپنے باپ کو کسم دیدی کی آمد کے بارے میں بتایا جو تمام مشرقی روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ عالیہ اُس کی حالت دیکھ کر اُداس ہو گئی تھی اور اپنے والد سے کہتی ہے کہ وہ کسم دیدی کے والد سے بات کریں کہ وہ اُسے اپنے گھر میں قبول کر لیں۔

"اسے کیا ضرورت ہے کہ ایسی بے شرمی کی باتوں میں حصہ لے؟" اماں غصے سے بے تاب ہو رہی تھیں۔ "کیوں نہ حصہ لے، مشن اسکول میں پڑھاتی ہو اور بولنے تک کا حق نہیں دیتیں۔" "صاف بات کیوں نہیں کرتے کہ انگریز بے شرم ہوتے ہیں؟" اماں لڑنے پر تُل گئیں تو ابا جلدی سے بیٹھک میں چلے گئے۔" (مستور, 2000, صفحہ 51)

اگرچہ عالیہ کے باپ نے اُسے مشن اسکول سے جدید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ، وہ انگریز حکومت اور مذہب سے شدید متنفر بھی تھے جیسا کہ ایک دن وہ اپنی بیٹی سے پُوچھتے ہیں؛

"تم انگریزوں کے مذہب سے تو متاثر نہیں ہو؟" "توبہ توبہ!" وہ بولی۔" (مستور, 2000, صفحہ 56)

عالیہ کے باپ کو اپنی بیٹی سے کئی اُمیدیں وابستہ تھیں اور وہ کبھی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ انگریزوں سے متاثر ہو جائے اس لیے وہ ہر وقت اپنی بیٹی کو نصیحتیں کرتے رہتے کہ وہ ان انگریزوں سے دُور رہے جنہوں نے اُن کی آزادی اُن سے چھین لی تھی۔ وہ اکثر عالیہ سے یہ تصدیق کرتے رہتے کہ کہیں وہ انگریزوں کے خیالات سے متاثر تو نہیں؛

"شاباش! تم بہت سمجھ دار ہو، میری ساری اُمیدیں تم سے وابستہ ہیں، تم کو پتہ ہے نا کہ مجھے ان بے ایمان تاجروں سے نفرت ہے، انہوں نے ہمیں غلام بنا لیا ہے۔"

"مجھے بھی نفرت ہے ابا!" اس نے باپ کو خُوش کرنے کے لیے کہا تھا۔" (مستور, 2000, صفحہ 57)

اماں ہر وقت اپنی انگریز بھاوج کی صحت کے بارے میں بہت فکر مند رہتیں۔ اس لیے وہ بھارت کے بدلتے موسم کی شکایت کرتی رہتیں جو اُن کی بھاوج کی نرم و نازک صحت سے بالکل بھی میل نہیں کھاتا تھا۔

"اس ملک کی بدلتی رُتیں بھی تو بھابی کی طبیعت کو راس نہیں آتیں۔ ذرا میں انہیں زُکام ہو جاتا ہے، معدہ الگ خراب رہتا ہے۔ کہیں نہ کہیں دعوت میں اس غریب کو مرچیں کھانی پڑ جاتی ہیں۔ بھلا مرچ بھی کھانے کی چیز ہے؟" (مستور, 2000, صفحہ 59)

عالیہ کی ماں مزاجاً بہت مغرور ہیں اور وہ کسی پر طنزیہ جُملہ کسنے کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ ایک بار، کچھ برطانوی افسر عالیہ کے باپ کے دفتر کا دورہ کر رہے تھے، وہ سارا سارا دن اس دورے کے انتظامات میں مصروف رہتے۔ اگرچہ وہ برطانوی لوگوں سے بہت متنفر ہیں لیکن اپنی نوکری بچانے کی خاطر وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ حکومت کے ایک دفتر میں معمولی سے ملازم ہیں۔ جب عالیہ کی ماں کو اس دورے کا پتہ چلتا ہے تو وہ اُن پر بھی طنزیہ جُملہ کسنے سے باز نہیں آتیں۔

"خوب! انگریزوں کو گالیاں دیتے ہیں اور اب وہ آرہا ہے تو مارے ڈر کے سٹی گم ہے حضرت کی، زبانی جمع خرچ کرنے میں کیسے تیز ہوتے ہیں لوگ بھی۔" (مستور, 2000, صفحہ 68)

گھریلو جھگڑوں کا یہ غصہ دوبارہ دفتر ہی میں نکلا۔ جب انگریز افسران دورے کے لیے دفتر آئے تو کسی ایک مسئلے پر اُس انگریز افسر اور عالیہ کے باپ کے درمیان تُو تُو میں میں ہو گئی۔ اُس افسر نے عالیہ کے باپ کو گالیاں دیں اور انہوں نے پیپر رول اُس کے سر میں دے مارا۔ وہ زخمی ہو گیا اور عالیہ کے باپ کو تھانے بھیج دیا گیا۔ جب دفتر کا چپڑاسی اُن کو یہ خبر دینے کے لیے آتا ہے تو وہ اُن سے خوب نفرت کا اظہار کرتا ہے جو وہ انگریز افسران کے سامنے کرنے سے قاصر ہوتا ہے؛

"ڈیم پھول کہتا تھا اپنے بابوجی کو، حرام زادہ'۔۔۔۔ چپڑاسی نے سرخ سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔۔۔۔ 'مجھے مل جائیں تو ایک ہزار ایک انگریز صدقے کر کے پھینکوں اپنے بابوجی پر سے' خون چڑھ گیا ہے میری آنکھوں میں' خون!" (مستور, 2000, صفحہ 69)

عالیہ کے والد کو سات سال قید کی سزا سُنا کر جیل بھیج دیا گیا۔ تمام خاندان اس فیصلے سے بہت ناخوش تھا اور اُن کے دلوں میں انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت بڑھتی چلی گئی۔ وہ تمام اس فیصلے سے متنفر تھے اور عالیہ کے باپ کو کبھی بھی ایک مجرم کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔

"واہ وہ مجرم کب ہیں، انگریز حکمران کو مارنا جرم کہاں ہوتا ہے؟" (مستور, 2000, صفحہ 103)

عالیہ کے والد کی وفات نے سارے خاندان کو غم کے مبتلا کر دیا۔ عالیہ سے اپنے والد کی میت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ بڑے چچا اپنے چھوٹے بھائی کی لاش اپنے سامنے دیکھ کر بے حال تھے۔ ہر ایک غم زدہ تھا اور برطانوی راج کے خلاف اُن کے دلوں میں نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ بڑے چچا اپنے غصے کا اظہار اس طرح کرتے؛

"میرے بھائی کو انہوں نے مار ڈالا، اس نے تو انگریز حکمران کو مار کر ثواب بھی نہیں کمایا تھا اور انہوں نے اتنی بڑی سزا دے دی۔ میں سب کو بتاؤں گا، میں اس کے جنازے کو جلوس کی صورت میں لے جاؤں گا۔ بڑے چچا جوش کے مارے چیخ رہے تھے۔" (مستور, 2000, صفحہ 226)

بڑے چچا کانگریس کے باقاعدہ ممبر تھے تو وہ بھی اکثر و بیشتر حکومت کے عمل گرفتاری کی زد میں آتے رہتے تھے۔ جب کبھی بھی، حکومت اُن کو گرفتار کرتی تو سارا خاندان غم و غصے کی حالت میں ہوتا۔ ہر ایک حکومت پر لعنت ملامت کرتا۔ ایک دن، جب حکومتی ہرکارے اُن کے گھر بڑے چچا کو گرفتار کرنے کے لیے آئے تو بڑی چچی غصے کے عالم میں بولیں؛

"بھلا ان حرام زادوں کا کیا بگاڑا ہے کسی نے جو روز روز پکڑتے ہیں، کیا کر لیں گے پکڑ کر، بھلا کسی کی زبان بھی بند کی ہے کسی نے۔ بڑی چچی اماں کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 145)

بڑے چچا بہت پُر اُمید ہیں کہ جب انگریز یہ ملک چھوڑ جائیں گے تب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر اُن کی ان تمام مسئلوں سے جان چھوٹ جائے گی اور اُن کے پاس اچھا خاصا فارغ وقت ہوا کرے گا۔ وہ اپنا یہ وقت اپنے کاروبار کو دیں گے اور ایک بار پھر اُن کی دُکان اُن کی خوشحالی کا باعث بنے گی۔

"جب ملک آزاد ہو جائے گا تو سب تکلیفیں دور ہو جائیں گی، تم لوگ ذرا گہرائی میں جا کر سوچو۔" (مستور, 2000, صفحہ 85)

چاہے معاملہ قومی سطح کا ہو یا بین الاقوامی سطح کا، یہاں تک کہ کوئی گھریلو معاملہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس خرابی کا سارا الزام صرف و صرف برطانوی حکومت کے سر ہی آتا تھا جو نوآبادیات کی ایک الگ مثال ہے۔ جیسا کہ نجمہ پھوپھی ایک دن خریداری کے لیے جاتی ہیں اور واپسی پر، مہنگائی کا سارا الزام حکومت پر لگاتی ہیں؛

"حد ہے بھئی ہر کپڑے پر دام بڑھا دیئے ہیں۔ اب بھلا کوئی بتائے کہ یہ ریشمی کپڑا کیا گوروں کے کفن کے لیے جاتا ہے؟" (مستور, 2000, صفحہ 150)

ہر کردار کے دماغ میں اُمید کی کرنیں روشن ہیں کہ سلطنت برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد، وہ کسی بھی قسم کی نوکری کرنے یا کوئی بھی کام سرانجام دینے کے لیے مکمل طور پر آزاد ہونگے۔ کوئی بھی اُن کے معاملات میں دخل نہیں دے گا اور تمام برطانوی ہمیشہ کے لیے یہ سرزمین چھوڑ جائیں گے اور کوئی بھی اس سرزمین پر دوبارہ اُن کا سایہ نہیں دیکھ پائے گا۔ ناول کے درمیانی حصے میں، جب تحریک آزادی اپنے عروج پر پہنچتی ہے تو جمیل بھیا اور چھمی اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں؛

"اور جب ملک آزاد ہو گا تو سارے انگریز دم دبا کر بھاگ جائیں گے، ہمارے پاکستان میں تو ایک بھی انگریز نہ رہے گا۔ چھمی بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔" (مستور, 2000, صفحہ 182)

باپ بیٹے کے خیالات میں اختلافات اور مخالف آراء کی وجہ سے، جمیل بھیا اور بڑے چچا دونوں ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات پر طنزیہ جُملے کستے رہتے۔

"مسلم لیگیوں کی کھپت تو انگریز بہادر کے دفتروں ہی میں ہوتی ہے۔ بڑے چچا نے کروٹ بدلے بغیر کہا۔" (مستور, 2000, صفحہ 188)

"آپ کا خیال بالکل غلط ہے، اصل بات تو یہ ہے کہ جب کانگریسی سفارش کر دیتے ہیں تو پھر نوکری مل جاتی ہے۔ جمیل بھیا بھی کیوں چُپ رہتے۔" (مستور, 2000, صفحہ 188)

ہر ایک آزادی کا خواہش مند ہے لیکن کوئی بھی نیا آزاد ملک چلانے کے لیے اپنی قوم اور لوگوں کے بارے میں پُر اعتماد نہیں۔ جس طرح کہ اماں اپنی قوم کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کرتی ہیں؛

"آزادی تو مل جائے، پھر سب ہوتا رہے گا اور پھر یہ ہندوستانی لوگ پہلے حکومت کرنا بھی تو سیکھ لیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 190)

جمیل اپنی نوکری چھوڑ کر اپنے خاندان کی مدد کے لیے کوئی اور نوکری کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے برطانوی تخت و تاج کی حفاظت کے لیے برطانوی فوج میں شمولیت اختیار کی تھی کہ ان خدمات کے عوض وہ برطانوی راج سے نجات حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ حکومت برطانیہ نے دوسری جنگ عظیم میں فتح حاصل کرنے کے لیے اپنی مختلف کالونیوں سے نوجوانوں کو بھرتی کیا اور ان لوگوں کو جرمنی اور جاپان کے خلاف استعمال کیا۔ ناول کی ان چند لائنوں میں نوآبادیاتی پہلو نمایاں ہیں؛

" بھئی حد کرتی ہیں اماں، ہزاروں آدمی فوج میں جاتے ہیں تو کیا سب مر جاتے ہیں، اور پھر جناب اگر ہٹلر کا مقابلہ نہ کیا تو انگریزوں سے بدتر ثابت ہو گا، اس کی غلامی جھیلنا آسان نہ ہو گی۔ جمیل بھیا نے سمجھانا چاہا مگر بڑی چچی بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 198)

جب جمیل کے والد کو پتا چلا کہ اُس نے برطانوی حکومت میں نوکری کر لی ہے تو اُن کا ردعمل بہت شدید تھا؛

"ارے اس نالائق سے اور کیا ہو سکتا تھا، انگریزوں کی مدد کر کے ہی تو پاکستان بنائے گا، یہ سب انگریزوں کے پٹھو ہیں۔ بڑے چچا غصے سے بلبلا اُٹھے۔" (مستور, 2000, صفحہ 203)

نجمہ پھوپھی اگرچہ بہت پڑھی لکھی تھیں اور اپنے پُورے خاندان میں منفرد ہونے کی وجہ سے بہت مغرور تھیں کیونکہ انہوں نے انگریزی میں ایم اے کیا ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی اُن کی گھر میں کوئی اہمیت نہیں تھی کیونکہ اُن کا رویہ بہت ہی متکبرانہ اور جدید تھا۔ اُن کے شادی کے فیصلے پر، سارے ہی ناخُوش تھے کیونکہ انہوں نے ساری مشرقی روایات کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور وہ ایک اجنبی کے ساتھ اپنی مرضی کے ساتھ شادی کر رہی تھیں۔ بڑے چچا اُن کے اس فیصلے پر بہت ہی زیادہ اُداس تھے اور گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ اس غم کا اظہار کرتے رہتے۔ گھر کے تمام چھوٹے بڑے اُن سے ناراض تھے اور اُن کی غیر موجودگی میں اُن کی ضد اور مغروریت زیر بحث رہتی۔

"پڑھ لکھ کر انہوں نے اتنا ہی سیکھا ہے۔ قاضی سے کہنا کہ نکاح بھی انگریزی میں پڑھائے۔ جمیل بھیا زور سے ہنسے۔" (مستور, 2000, صفحہ 268)

ہر ایک کے دل میں اُمید آزادی کی شمعیں روشن ہیں۔ ہر ایک یہی سوچ رہا ہے کہ ملک کے سارے انتظامات مکمل طور پر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آ جائیں گے اور پھر وہ بغیر کسی مداخلت کے اپنے معاملات خُود نبٹائیں گے اور آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گے۔ ناول نگار نے اس صورت حال کو بخوبی "آنگن" کے مختلف کرداروں کے ذریعے ناول کا حصہ بنایا ہے؛

"انگریز کہتے ہیں کہ اب ہندوستان آزاد ہو جائے گا؟ بڑی چچی بھی ہنستی ہوئی آ گئیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 264)

"ہاں، انہیں آزاد کرنا ہی ہو گا، بس تھوڑے دن اور گڑبڑ کریں گے، بے ایمان قوم ہے۔ بڑے چچا جوش میں آ گئے۔" (مستور, 2000, صفحہ 264)

"پھر جب آزادی مل جائے گی تو تم اپنی دکانوں پر بیٹھو گے؟ بڑی چچی نے پوچھا۔ ان کی آنکھوں سے اشتیاق ٹپک رہا تھا۔" (مستور, 2000, صفحہ 264)

"بیٹھوں گا کیوں نہیں، تم دیکھنا کہ اس کے بعد دکانیں کیسی چلتی ہیں، اپنی حکومت سے تو دکانوں کو چلانے کے لیے امداد بھی مل جائے گی۔" (مستور, 2000, صفحہ 264)

"اچھا اپنی حکومت امداد بھی کر دے گی؟ ہائے کتنا اچھا ہو گا۔ بڑی چچی کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔" (مستور, 2000, صفحہ 264)

ہندوستان کی تقسیم کے فیصلے کے بعد، کچھ لوگ بہت خوش تھے جبکہ کچھ اس فیصلے سے ناخوش تھے۔ ملک میں بلوہ ہو گیا اور لوگوں کی پریشانیاں بھی بڑھ گئیں۔ ہر شخص اپنی حفاظت کے نئے نئے طریقے سوچ رہا تھا یا ہجرت کے لیے کوئی آسان اور کم خطر راستہ۔ اسی طرح، عالیہ اور اُس کی ماں پاکستان ہجرت کے لیے سوچ رہے تھے جبکہ بڑے چچا جو کہ کانگریسی تھے، وہ اس تقسیم سے ناخُوش تھے اور کبھی بھی پاکستان کی جانب سفر نہیں کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے عالیہ اور اُس کی ماں پر بھی زور دیا کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اُن کے ساتھ رہیں۔ عالیہ کی ماں کبھی بھی مزید وہاں نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ وہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں کیونکہ اُن کا بھائی اور انگریز بھاوج بھی پاکستان

کی جانب ہجرت کر رہے تھے۔ اگرچہ عالیہ کبھی بھی بڑے چچا کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ ماں کو بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اگرچہ ملک آزاد ہو گیا لیکن لوگوں کے دلوں میں ابھی بھی برطانیوی لوگوں کے خلاف نفرت کم نہیں ہوئی تھی۔ اُن کی روانگی سے ایک دن پہلے ہی، بڑے چچا نے عالیہ سے کہا؛

"یہ انگریز جاتے جاتے بھی چال چل گیا، لوگوں کو گھر سے بے گھر کر گیا، پھر بھی تم مت جاؤ بیٹی، اپنی ماں کو سمجھالو، اب تمہارے سکھ کا زمانہ آگیا ہے۔" (مستور, 2000, صفحہ 279)

ادب اور تمام ادبی اصناف نو آبادیاتی پہلو سے کبھی بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ نو آبادیات کا آغاز اُسی وقت ہو گیا تھا جب انگریزی زبان و ادب کے بہت سے الفاظ اُردو اور ہندی کا حصہ بنے تھے اور انگریزوں کے کچھ مقلدوں نے تہذیب و تمدن اور ملبوسات میں نمایاں تبدیلی لائی تھی۔ اس لیے جو بھی ادب قبل از تقسیم یا بعد از تقسیم تخلیق کیا گیا، اُس میں نو آبادیاتی پہلو نمایاں ہیں اور یہ پہلو، زبان و ادب، لباس، تہذیب و تمدن میں بآسانی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ کسی بھی تحقیق کا کوئی اختیام نہیں ہوتا اور ناول جیسی صنف کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ یقیناً اس تحقیق میں بھی بہت سے پہلو رہ گئے ہونگے جو آنے والے محقق کریں گے۔

حوالہ جات

ای ڈبلیو سعد.(1979). Orientalism. نیویارک: وِنٹیج بک پبلیشرز.,1979ص75

ای ڈبلیو سعد.(1993). Culture and imperialism.نیویارک: ونٹیج بک پبلیشرز.1993، ص69

اے کیسن.(2000). Postcolonialism: Theory, Practice Or Process.امریکہ: ویلے.

جے میکلیڈ.(2000). Beginning Post Colonialism.مانچسٹر: مانچسٹر یونیورسٹی پریس۔2000ء ص198

حسن.(11 10, 2010). آنگن، خدیجہ مستور. تاریخ الاسترداد 7 11, 2018، من

http://www.urdumania.com/?attachment_id=5079

خدیجہ مستور.(2000). آنگن. لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز.2000ء، ص89

ویکی پیڈیا.(16 4, 2013). خدیجہ مستور. تاریخ الاسترداد 09 11, 2018، ص69

en.wikipedia.org/wiki/Khadija_Mastoor